حسنِ طلب

پروفیسر باغ حسین کمالؔ

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ
یَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ
وَاحْلُلْ عُقْدَۃً مِّنْ لِّسَانِیْ
یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حُسنِ طلب

پروفیسر باغ حسین کمال رحمۃ اللہ علیہ

جملہ حقوق محفوظ

International Standard Book No. 969-8973-00-1 عالمی معیاری کتاب نمبر

نام کتاب	حُسنِ طلب
تصنیف	پروفیسر باغ حسین کمالؔ رحمتہ اللہ علیہ بانی سلسلہ اویسیہ کمالیہ
ناشر	الکمال پبلشرز۔ پنوال، چکوال
منتظمِ اعلیٰ	صاحبزادہ قاضی ثاقب کمالؔ
اہتمامِ اشاعت	صاحبزادہ قاضی مراد کمالؔ (ایم۔اے اسلامیات)
پہلا ایڈیشن	1990ء
چوتھا ایڈیشن	2007ء
تعداد	1000
قیمت	100/-

ملنے کا پتہ

"دارالفیضان" پنوال شریف (براستہ تحصیل چوک) چکوال

فون نمبر 0543-600267 موبائل 0300-9733482

محبوبِ حقیقی کے نام

کبھی کبھی کے تصوّر سے جی نہیں بھرتا
مرے خیال میں آؤ تو بار بار آؤ

ترتیب

○ تعارف

☆ سوانحی کوائف 13

☆ کسبِ کمال — انور مسعود 15

○ عقیدت

☆ ایک نشہ ہے کہ چھائے ہے ترے نام کے ساتھ 21

☆ نور و نکہت میں ڈھلی ظلمتِ شب آج کے دن 23

سلام 25

○ غزلیات

☆ داغوں سے مرے دل میں پھر سرو چراغاں ہو 27

☆ اب تو پڑھواؤں تجھے بھی اپنی الفت کا بیاں 29

☆ ہر غم ہے جاں گداز تو ہر چوٹ دل شکن 32

☆ اب ہوائے گیسو و رخسار بھی کوئی نہیں 33

☆ رات بھر بستی میں گونجی ایک اُلو کی صدا 35

☆ گرچہ ہر لحظہ نیا اک درد کا پیغام تھا 37

☆ اے اہلِ جفا ہم تو وفا کرتے رہیں گے 39

☆ دنیا کے ہنگاموں میں گو دن کو تو کھو جاتے ہیں 41
☆ دیکھنا ہو تو اسی کو خواب میں دیکھا کرو 43
☆ غمِ دوراں ، غمِ جاناں ، غمِ جاں ہوتا ہے 45
☆ دل سے نکلے گا خیال رخ جاناں کیسے 47
☆ یاس کی کُہر میں لپٹا ہوا چہرہ دیکھا 49
☆ محبت کی پھر ابتدا چاہتا ہوں 51
☆ کب تلک الفاظ کا رشتہ صدا سے جوڑتے 53
☆ اس کے ہاتھوں کی مہک بھی جنبش در میں نہیں 55
☆ خشک زمیں کا ذرہ ذرہ بوند کو ترسے گا 57
☆ کوئی بادل نہ تھا آنکھوں میں یاروکٹ گئی تھی رات 59
☆ دل کا چشمہ پھوٹ نکلے آنکھ بھی تر ہو نہ ہو 61
☆ دیکھیئے کیا کیا دکھاتی ہے مری قسمت مجھے 63
☆ کل شب وہ مُدعائے نظر میرے پاس تھا 64
☆ دل غم زدہ ، افسردہ ، پریشان ہے جاناں 65
☆ پھر کوئی یاد مرے ذہن میں در آئی ہے 66
☆ جانے کیوں سوچ کی راہوں پہ نکل آیا ہوں 67
☆ اس کے جلووں کی جھلک تھی کہ دکھائی نہ گئی 68
☆ ان گنت ارماں مچلتے رہ گئے 69
☆ عشق دھوکا تھا نہ سمجھے کھا گئے 70
☆ میں اور میرے سامنے وہ شوخ و شنگ تھا 71
☆ مندمل ہونے لگے تھے زخم دل کے پھر چھلے 72

☆	یوں مرے سینے میں ہے شوق وصال آوارہ	73
☆	آنکھوں میں رکھ لیے ہیں تری رہگذر کے پھول	74
☆	اشک ٹپکے ہیں مرے خون جگر کی صورت	75
☆	زندگی کرنے کا کوئی تو سہارا ہوتا	76
☆	راستہ گھر کا ترے میں بھی بھلا دوں گا کبھی	77
☆	خیالوں کی دنیا بسانے لگے	78
☆	اس دل کے اضطراب میں شاید کمی رہی	79
☆	تو شوخ ہے چنچل ہے طرح دار ہے جاناں	81
☆	کچھ خوں چکاں حروف مری داستاں کے ہیں	82
☆	آس کا سورج جب ڈوبے گا	83
☆	رات بھر دل میں تری آس کے تارے چمکے	84
☆	ایک مدّت نام جن کا ہو گئی گردانتے	85
☆	اوجھل مری آنکھوں سے کہاں ہو گئے احباب	86
☆	خوش فہمیوں کے قصر میں آئے ہیں زلزلے	87
☆	دو اشعار	88

○ منظومات

☆	گلہائے تحسین (پاک فوج کے نام)	91
☆	پیغام	93

☆

دو ہی نقطے ہیں کہ جن کے درمیاں ہے زندگی
اک مرا حُسنِ طلب اور اک ترا حُسنِ عطا

تعارف

☆

میرا سینہ مخزنِ اسرار ہے لیکن کمالؔ
کس میں اتنا حوصلہ ، بن جائے میرا رازداں

سوانحی کوائف

1۔	نام	باغ حسین	
2۔	تخلص	کمالؔ	
3۔	ولدیت	قاضی حسن دین	
4۔	قوم	نسبی بھٹی راجپوت	
		(حسبی طور پر کھوٹ قریش (اعوان))	
5۔	مقامِ پیدائش	پنوال (نواح چکوال)	
6۔	تاریخ پیدائش	ا۔ بمطابق رجسٹر سکول،	24/جنوری 1937ء
		ب۔ بمطابق رجسٹر پیدائش،	31/مارچ 1937ء
		ج۔ بمطابق حقیقی،	22/مارچ 1937ء
7۔	تعلیم	میٹرک گورنمنٹ ہائی سکول چکوال	1955ء
		انٹرمیڈیٹ گورنمنٹ کالج چکوال	1957ء
		بی اے (پرائیویٹ) پنجاب یونیورسٹی	1963ء
		ایم اے (اردو) پنجاب یونیورسٹی	1966ء
		بی ایڈ پنجاب یونیورسٹی	1967ء
		ایم اے (پنجابی) پنجاب یونیورسٹی	1974ء
8۔	صحافت	نامہ نگار ''امروز، تعمیر''	1960ء تا 1970ء

9۔ ملازمت ا۔ کلرک میونسپلٹی چکوال 1959ء تا 1963ء

ب۔ انگلش ٹیچر، اسلامیہ ہائی سکول چکوال 1963ء تا 1967ء

ج۔ ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول،

ڈلہہ، ڈھڈیال 1967ء تا 1975ء

د۔ گورنمنٹ کالج، جی ٹی روڈ، جہلم 1975ء تا مارچ 1997ء

10۔ تصانیف وتالیفات

1۔ کلام شاہ مراد (شریک مرتب) 1966ء

2۔ لوک گاون 1980ء

3۔ حالِ سفر (تصوّف وسلوک) (بیس بار) 1987ء تا 2007ء

4۔ حُسنِ طلب (اردو شاعری) (چار بار) 1990ء، 2007ء

5۔ سِکدیاں رُوحاں (پنجابی شاعری) (چار بار) 1990ء، 2007ء

11۔ روحانی سفر کا آغاز

حضرت مولانا اللہ یار خان صاحبؒ کے

حلقۂ ذکر میں شمولیت 29/ جولائی 1975ء

12۔ سلسلہ اویسیہ کمالیہ کا آغاز 8/اپریل 1984ء

13۔ تاریخ وصال 31/دسمبر 2000ء

14۔ تدفین یکم جنوری 2001ء

15۔ مقام تدفین دارالفیضان، پنوال، چکوال

کسبِ کمال

زندگی ایک آزمائش گاہ اور ایک دارِ مشقت ہے۔ باغ حسین کمالؔ سے تعارف اسی کرب کی نشان دہی کے حوالے سے ہوا تھا۔ اس مضمون کے اظہار میں اس نے جو سادہ اور خوب صورت پیرایہ اختیار کیا تھا اس نے ایک دم چونکا دیا تھا۔ حافظے نے اس کا یہ شعر متاعِ عزیز کی طرح سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

زندگی کے قید خانے کی سزا بھی خوب ہے
ایک مدت ہو گئی ہے باغؔ پتھر توڑتے

''حُسنِ طلب'' کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ باغ حسین کا ابتدائی کلام سرتاسر شکوۂ حالات سے عبارت ہے۔ وہ آسمان کا ستایا ہوا ہے۔ اور اس کے ویرانہ دل میں تنہائی کا گہرا سکوت ہے۔ اور ایک بھاری پتھر اس کے سینے پر دھرا ہے۔ زندگی کی سختیوں اور دشواریوں کے باعث اس کا لہجہ غم سے نڈھال ہے۔ اور اسی غم کو اس نے اپنے لئے اساسِ حیات قرار دے رکھا ہے اور وہ مایوسیوں کے بگولوں میں گھرا ہوا ہے۔

پھر یوں ہوا کہ اچانک اس کے دل میں آرزو کا کوئی غنچہ کھل اُٹھا، جس نے اس کے اندر زندہ رہنے کی اُمنگ پیدا کر دی اور اسے چکنا چور ہونے سے بچا لیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس تجربے نے اس کے سینے میں عزم و ہمت کی ایک ایسی شمع روشن کر دی ہے۔ جس نے اس کے دل کے بانکپن کو قائم رکھا ہے۔ اس مقام پر اس پہ یہ کھلا کہ غم کی آگ میں جلنے والے تو امر ہو جاتے ہیں۔ اس احساس نے اسے وہ حوصلہ دیا جو مصائب کو للکارنے

ملتا ہے۔

رستے میں سمندر ہو یا کوہ و بیابان ہو
تو منزلِ اُلفت کو اے باغؔ پُرافشاں ہو

جلوۂ دوست میسّر مجھے آئے گا کمالؔ
سر سلامت ہے تو دیوار گرا دوں گا کبھی

محبت کا تجربہ مجازی سطح کا ہی کیوں نہ ہو انسانی شخصیت کو بڑی وسعتیں اور بڑے ولولے عطا کرتا ہے۔ آدمی اپنے خول سے باہر نکل آتا ہے اور زندگی میں آثارِ حُسن دیکھنے کے لئے انتہائی ایثار پر خود بھی آمادہ ہو جاتا ہے اور دوسروں کو بھی آمادہ کرتا ہے۔

اپنا خون دے کے زمانے کو دکھاتے ہیں کمالؔ
ہم بچاتے ہیں خزاؤں سے گلستاں کیسے

اپنا لہو اچھال دیں یارو بنامِ صبح
سر سے کسی طرح تو یہ کالی بلا ٹلے

اس تجربے کے طفیل اب ایک سیلِ آرزو باغ حسین کو لئے لئے پھرتا ہے۔ وہ صحرائے غم کو شاداب بنانے کی دھن میں سرشار دکھائی دیتا ہے آگ میں پھول دیکھتا ہے۔ راکھ میں اسے کسی قصرِ عظیم کا ہیولیٰ دکھائی دیتا ہے۔ وہ رنگوں کا شیدائی اور خوشبو کا رسیا بن گیا ہے۔ چمن کی فضاؤں میں خطرے کی کسی دھند کو گوارا نہیں کرتا۔ پروا کا یہ زود گذر جھونکا باغ حسین کی شخصیت کو اتنا ثروت مند کر گیا کہ اس نے مہکتی ہوئی یادوں کی ڈھیر ساری دولت سمیٹ لی۔ اس کے ذہن کی جھیل میں کئی شاداب کنول کھل اُٹھے۔ اور اب یوں لگتا ہے کہ زینۂ مجاز طے کرتے ہوئے باغ حسین کمالؔ محبت کے ایک بہت بلند اور نورانی افق کی طرف آنکلا ہے۔

ایک مہ وش کے تصور کے طفیل
تیرگی سے روشنی میں آگئے

اس کے یہاں ایک صوفیانہ رجحان کے آثار بہت واضح دکھائی دینے لگے ہیں۔ ایک سنگِ آستاں اسے سنگِ اسود کی طرف لے گیا ہے۔ صوفی راہِ حق کا وہ مسافر ہے جس کا زادِ سفر عشق ہے۔ باغ حسین بھی اب محبت کی برکتوں کو عام کرنے کی روش پر گامزن ہے۔

آؤ اب تبلیغِ اُلفت کا کریں ہم اہتمام
لوگ اکثر برکتیں اس کی نہیں ہیں جانتے

صوفیاء نے پیمانِ عبودیت اور بارِ امانت کے حوالے سے انسانی فضلیت کے بہت گن گائے ہیں۔ باغ حسین کے ہاں بھی یہ مضمون بڑی آب و تاب سے موجود ہے۔

رکھ دیا تھا چوم کر جس کو سبھی عشاق نے
ہم نے ہی آخر اٹھایا دوست وہ سنگ گراں

اس کے یہاں یہ عارفانہ ترنگ بھی سنائی دیتی ہے کہ میرا سینہ مخزنِ اسرار ہے اور قسامِ ازل نے مجھے بڑا ظرف عطا کیا ہے۔ باغ حسین کمالؔ کے یہاں غزل کی لے جا بجا حمدیہ اور نعتیہ آہنگ اختیار کر لیتی ہے۔

تیری فردو گاہ پہ جنت بھی ہو نثار
شرمائیں کہکشاں کو تری رہگذر کے پھول

ہم نور کی کرنوں کو بکھیریں گے ہر اک سمت
ہم پیروی ءِ شمسِ حرا کرتے رہیں گے

یارو! کیسا منظر ہو گا
باغؔ جو کعبے سے لپٹے گا

باغ حسین کے پنجابی کلام میں بالخصوص خداوند تعالیٰ کا اسمِ ذات ورد اور وظیفے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ کیا عجب کہ اس کا آئندہ مجموعہ صرف روحانی تجربات کے اظہار پر مشتمل ہو۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ باغ حسین نے اپنی اردو غزل مین فنی اعتبار سے سرحدِ کمال کو چھو لیا ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ اس کی غزل روایت اور جدت کے درمیان ایک سنبھلی ہوئی کیفیت کی

عکاسی کرتی ہے۔غزل کے رومانی لہجے سے اس نے انحراف نہیں کیا۔ یہ روگردانی مناسب بھی نہیں بلکہ یہی لہجہ تو غزل کی شناخت اور سرشت ہے۔

باغ حسین نے ساری غزل مطلعوں کی صورت میں لکھنے کا تجربہ بھی کیا ہے۔ اس نے کالر اور نارمل کے انگریزی الفاظ بھی اس قرینے سے استعمال کئے ہیں کہ ذرا بھی اوپرے معلوم نہیں ہوتے۔ غزل کی لفظیات سے آگاہی کے بغیر یہ تجربہ ممکن نہیں ہے۔ ---------باغ حسین کے مزید چنداشعار نذرِ قارئین ہیں۔-----اس سے زیادہ میں کیوں بولوں -----خوشبو بولے

یہ بھی نیرنگیٔ دوراں کا کرشمہ دیکھا
مل گیا تخت مگر خوئے گدائی نہ گئی

میں بھی گم سم تھا کوئی بات نہ کرنے پایا
اس کے ہونٹوں پہ بھی جیسے کوئی پہرا دیکھا

تنہائیوں کے حبس میں دم اس طرح گھٹا
میرا وجود جیسے کہیں زیرِ سنگ تھا

جلتی ہے شمعِ زیست بہر طور دوستو
گرچہ بگولے تند غمِ بے کراں کے ہیں

میں ترے کھوج میں اس طَور سے سرگرداں ہوں
جیسے صحراؤں میں ہو کوئی غزال آوارہ

انور مسعود

اسلام آباد

3 جولائی 1993ء

عقیدت

☆

ہم نُور کی کرنوں کو بکھیریں گے ہر اک سمت
ہم پیرویٔ شمسِ حراﷺ کرتے رہیں گے

☆

ایک نشہ ہے کہ چھائے ہے ترے نام کے ساتھ
اک تسلی ہے کہ آئے ہے ترے نام کے ساتھ

عنبر و عود لٹائے ہے تری یادِ جمیل
ایک خوشبو ہے کہ آئے ہے ترے نام کے ساتھ

اس نے کونین کی دولت کو سمیٹا گویا
دل کی دنیا جو بسائے ہے ترے نام کے ساتھ

دل تصوّر میں ترے ڈوب گیا ہو جیسے
آنکھ بھی اشک بہائے ہے ترے نام کے ساتھ

حشر کیا ہو گا تمنّا کا تری دید کے وقت
آرزو حشر اُٹھائے ہے ترے نام کے ساتھ

ہے ترا ذکر حلاوت میں کچھ ایسا کہ زباں
اک نیا ذائقہ پائے ہے ترے نام کے ساتھ

طُرفہ اک رنگِ محبّت کا اثر دیکھا ہے
رُوح بھی وجد میں آئے ہے ترے نام کے ساتھ

لذّتِ درد بفیضِ غمِ جاناں ، جاناں
جذبہء شوق بڑھائے ہے ترے نام کے ساتھ

تجھ سے منسوب غزل کر کے کمالؔ اترائے
اپنی توقیر بڑھائے ہے ترے نام کے ساتھ

☆

نُور و نکہت میں ڈھلی ظلمتِ شب آج کے دن
زیست کو مل گیا جینے کا سبب آج کے دن

آسماں جھوم اُٹھے ، خاک ہنسی ، لہرائی
تیری آمد کا تھا انداز عجب آج کے دن

آدمیّت کہ مقدر میں رہی جس کے فغاں
تیرے آنے سے ہوئی خندہ بلب آج کے دن

ہاں ترا حُسن ہوا باعثِ تزئینِ چمن
بڑھ گیا ذوقِ نظر، حُسنِ طلب آج کے دن

ایک تکریم کی چادر سی تنی جاتی ہے
اللہ اللہ! یہ تقدّس، یہ ادب آج کے دن

گلشنِ دل کہ خزاؤں نے اُجاڑا تھا کمالؔ
کس کے آنے سے ہوا باغِ طرب آج کے دن

سلام

مصطفیٰ ﷺ، میرے رہبر ! کروڑوں سلام
مجتبیٰ ﷺ، یارِ داور ! کروڑوں سلام

والیٔ دوجہاں تیری رحمت کی خیر
شاہِ روضۂ اطہر ! کروڑوں سلام

آسمانِ رسالت کا تُو آفتاب
ہیں نبی سارے اختر ، کروڑوں سلام

تیری اُمّت کے پیاسوں کو وقف ہو گئے
تیرے تسنیم و کوثر ، کروڑوں سلام

ہے اِک آرزو بس ترے ساتھ ہی
میں رہوں روزِ محشر ، کروڑوں سلام

نگاہوں میں میری ہمیشہ رہے
ترا روئے انور ، کروڑوں سلام

لکھوں اور پڑھوں اور سنوں میں کمالؔ!
دُرودوں کے دفتر ، کروڑوں سلام

غزلیات

☆

ہوگئے وہ قُرب کے لمحے بھی اِک خواب و خیال
دشتِ فُرقت میں اب اس کے واسطے تڑپا کرو

☆

داغوں سے میرے دل میں پھر سرو چراغاں ہو
ہر اشک میں طوفان ہو ، ہر زخم نمک داں ہو

ہر لحظہ نئی سوزش ، دل جلنے کا ساماں ہو
میرے غمِ پیہم کا ، کوئی بھی نہ درماں ہو

دل گیری و جاں سوزی ، ہر گام پہ رقصاں ہو
قسمت میں مری ہر دم ، دشتِ شبِ ہجراں ہو

آنکھوں میں مری ہر دم ، عکسِ رخِ جاناں ہو
وہ شوخ تصوّر ہی ، پیوستِ رگِ جاں ہو

یہ دیدۂ حیراں ہو ، وہ عارضِ تاباں ہو
اک ہوش کا قاتل ہو ، اک رہزنِ ایماں ہو

جس دل میں محبت کا ، احساس فروزاں ہو
اللہ کی قدرت ہے ، وہ دل ہی پریشاں ہو

کچھ اور ستم ڈھاؤ ، کچھ اور بھی احساں ہو
تسلیم و رضا میری ، ہر ظلم پہ قرباں ہو

رستے میں سمندر ہو ، یا کوہ و بیاباں ہو
تو منزلِ الفت کو ، اے باغؔ پُر افشاں ہو

☆

اب تو پڑھواؤں تجھے بھی اپنی الفت کا بیاں
ہے کتابِ شوق میں لکھی تمھاری داستاں

نسبتیں تجھ سے بہت سی ہیں مری پر جانِ جاں
سب سے بڑھ کر، سب پہ فائق، ہے محبت بے گماں

جانے اس کی کون سی منزل ہے، رکتا ہے کہاں
رات بھر سے چل رہا ہے، آنسوؤں کا کارواں

رکھ دیا تھا چُوم کر، جس کو سبھی عشّاق نے
ہم نے ہی آخر اُٹھایا، دوست وہ سنگِ گراں

تیرے سب عشّاق ہیں، اک خوف سے سہمے ہوئے
میں مگر تیری محبت، کے نشے سے شادماں

عشق کی منزل ہے جانے ، کون سی میرے لیے
سنگِ اسود بن گیا ہے ، تیرا سنگِ آستاں

سارے جذبے سارے ارماں، کب کے بوڑھے ہو گئے
اک تمنّا ہے مرے دل میں ، مگر اب بھی جواں

بارگاہِ حُسن میں تیری ، کروں کس کو سفیر
اب تو خود ہی بن گیا ہوں ، دوست اپنا ترجماں

میں تو غیروں کو بھی دکھلاؤں ترا رنگِ مجاز
تیری غیرت کو گوارا ، ہوں جو میری شوخیاں

زندگی حسنِ مجسم کر ، سراپا کیف کر
اے مرے حسنِ آفریں ، ہو جا ذرا سا مہرباں

کوئی شیرینی عطا کر مجھ کو میٹھے بول سے
دور فرما دے تو میری ، زندگی کی تلخیاں

میرے ہاتھوں میں فروزاں ، کر یہ رُخِ مہتاب سا
دوش پر پھیلا مرے ، زلفوں کی کالی بدلیاں

بھینچ کر سینے سے اپنے ، اب تو میرا دم نکال
کثرتِ بوسہ سے کردے ، مجھ کو جاناں نیم جاں

تو مری رگ رگ میں بھی اور تو ورائے عرش بھی
یہ عجب ہیں قربتیں اور وہ عجب تر دوریاں

میں ترا ہم راز ٹھہرا تُو مرا دم ساز ہے
کس تصوّر میں بھلا آئیں ، مری خوش بختیاں

میرا سینہ مخزنِ اسرار ہے لیکن کمالؔ
کس میں اتنا حوصلہ ، بن جائے میرا رازداں

☆

ہر غم ہے جاں گداز تو ہر چوٹ دل شکن
قائم مگر ہے پھر بھی مرے دل کا بانک پن

پھر مل گیا ہے آج غمِ دل کو اک فروغ
دیکھی ہے اس کے چہرے پہ جو درد کی شکن

تیری ادا میں حُسنِ صبا کی ہیں شوخیاں
کس درجہ گل فشاں ہے ترا ایک اک سخن

ہم لوگ ہیں شعور کی ضوپاش مشعلیں
روشن ہمارے دم سے ہے دنیائے فکر و فن

سونی پڑی ہے بزم تمنا مری کمالؔ
جب سے چلا گیا ہے وہ جانانِ انجمن

☆

اب ہوائے گیسو و رخسار بھی کوئی نہیں
گرم اُلفت کا تری بازار بھی کوئی نہیں

کیسۂ اُلفت میں میرے جیب مفلس کی طرح
اب وفاؤں کا تری پندار بھی کوئی نہیں

ریگ زاروں کا سماں پھیلا ہے میرے سامنے
اب میسّر سایۂ دیوار بھی کوئی نہیں

خوں اُچھالا تھا جنوں کے فیض سے جس کے لیے
اس سحر کے تو یہاں آثار بھی کوئی نہیں

ہر کسی کی مصلحت نے گُنگ کر دی ہے زباں
اب کسی سر میں خمارِ دار بھی کوئی نہیں

زندگی دشوار تر اب ہو گئی ہے دوستو
غم فزوں تر ہیں مگر غم خوار بھی کوئی نہیں

اے فقیہاں! لائقِ تعزیر ہیں گر ہم تو کیا
اب سلامت آپ کی دستار بھی کوئی نہیں

ہم کو سپنے دیکھنے سے ہی نہیں فُرصت کمالؔ
بزم میں اک دیدۂ بیدار بھی کوئی نہیں

☆

رات بھر بستی میں گونجی ایک اُلّو کی صدا
رونما ہونے کو جانے کون سا ہے حادثہ

خُون کی بُو پر فضا میں اڑتے ہیں زاغ و زغن
ایک ننگی شاخ پر بیٹھی ہے زخمی فاختہ

اپنے حصّے میں تو آئی گردِ صحرا ہی فقط
جانے کس جانب گیا ہے خوشبوؤں کا قافلہ

زندگی کی تلخیوں سے اِلتفاتِ یار تک
پھیلتا جاتا ہے میرے درد کا اک سلسلہ

میں بھی ہوں جیسے کسی مفرور مجرم کی طرح
ایک مدّت سے بھُلا بیٹھا ہوں گھر کا راستہ

دیکھیئے تُلتا ہے کون اب عدل کی میزان میں
ہو گیا ہونے کو یوں تو دوستو محشر بپا

ایک خواہش ، اک تمنا ، ایک ہی ہے آرزُو
تجھ سے تجھ کو مانگتا ہے بس مرا دستِ دعا

دُور پیچھے رہ گئی تھی وقت کی رفتار بھی
میں مکاں کو چھوڑ کر جب لامکاں کو چل پڑا

دو ہی نُقطے ہیں کہ جن کے درمیاں ہے زندگی
اک مِرا حُسنِ طلب اور اک ترا حُسنِ عطا

گر کسی دستِ حنائی کا کرم حاصل نہیں
پُھول کالر پر کمالؔ اپنے ہی ہاتھوں سے سجا

- - - - - -

☆

گرچہ ہر لحظہ نیا اک درد کا پیغام تھا
مُجھ کو بندِ غم میں بھی لیکن بہت آرام تھا

میں تھکا ہارا مُسافر راہ سے بھٹکا ہوا
سامنے جنگل کا سنّاٹا تھا وقتِ شام تھا

خط پہ میرا نام ہی کافی تھا ملنے کے لیے
شہر بھر میں ایک ہی تھا شخص جو گُم نام تھا

عمر بھر کی دوریاں تھیں درمیاں پھیلی ہوئی
گرچہ اس کا فاصلہ مجھ سے فقط دوگام تھا

اُس کے مکھڑے پر دمکتا تھا کوئی رنگِ مُراد
میرے چہرے پر غُبارِ حسرتِ ناکام تھا

ایک مدّت سے پڑا ہے دوست وہ گھر بے چراغ
روشنی در روشنی ، جس کا کنارِ بام تھا

کس طرح اس کو دلاتا میں وفاؤں کا یقیں
جان کی بازی لگانا آخری اقدام تھا

یوں تو لوگوں میں بہت مقبول تھا لیکن کمالؔ
مہ وشوں میں اپنے اس پندار پر بدنام تھا

☆

اے اہلِ جفا ہم تو وفا کرتے رہیں گے
گر پیار خطا ہے تو خطا کرتے رہیں گے

کُھل جائے درِ ناز ترا یا کہ رہے بند
ہم لوگ فقیرانہ صدا کرتے رہیں گے

آنسو کی اگر ہے کوئی قیمت ترے نزدیک
یہ قیمتِ اُلفت بھی ادا کرتے رہیں گے

تُو ہم سے گریزاں ہے گریزاں ہی سہی پر
ہم حُسنِ گریزاں کی ثنا کرتے رہیں گے

ہم نُور کی کرنوں کو بکھیریں گے ہر اک سمت
ہم پیروی ٔ شمسِ حرا کرتے رہیں گے

دامن تو کُشادہ ہے ہمارا ، وہ کہاں تک
یہ درد کی سوغات عطا کرتے رہیں گے

اِک تو ہی فقط بآغ سوالی تو نہیں ہے
اس در پہ کئی لوگ صدا کرتے رہیں گے

☆

دنیا کے ہنگاموں میں گو دن کو تو کھو جاتے ہیں
شب بھر تیری فرقت میں ہم لیکن اشک بہاتے ہیں

جس کو دیکھا ٹھونک بجا کر، نکلا لو بھئی مطلب کا
اب وہ لوگ کہاں جو یارو اوروں کے کام آتے ہیں

سارے عالم پر گویا اک مستی سی چھا جاتی ہے
رِند ترنگ میں آ کر اپنی کوئی غزل جب گاتے ہیں

ہم کو پاگل کہنے والو تم کو یہ معلوم نہیں
غم کی آگ میں جلنے والے لوگ امر ہو جاتے ہیں

ہم ہی سے ہے قائم یارو عظمتِ آدم ، عظمتِ فن
درد کی سُولی پر چڑھ کر ہم وقت کے خم سلجھاتے ہیں

ذہن کی جھیل میں کِھل اُٹھتے ہیں خُوشبو کے شاداب کنول
تیری قُربت کے لمحے جو یاد کبھی آ جاتے ہیں

کس سے پوچھیں کون بتائے کس عالم میں ہے وہ کمالؔ
جس کی سُندر یادوں سے ہر لحظہ جی بہلاتے ہیں

☆

دیکھنا ہو تو اُسی کو خواب میں دیکھا کرو
بیٹھ کر اس کے تصور میں غزل لکھا کرو

اب لگے ہو باندھنے تم شعر میں بھی اس کا نام
اے مرے شاعر محبت کا نہ یوں چرچا کرو

دل کے ویرانے میں تنہائی کا یہ گہرا سکوت
ہاں تمنّاؤ کوئی اب حشر ہی برپا کرو

ہوگئے وہ قرب کے لمحے بھی اک خواب و خیال
دشتِ فُرقت میں اب اس کے واسطے تڑپا کرو

ہو نہ جائے مُندمل دل کا مرے گھاؤ کہیں
ہو سکے تو اور بھی اس زخم کو گہرا کرو

اب تو ان رُسوائیوں میں بھی مزا آنے لگا
میرے ارمانو مجھے کچھ اور بھی رسوا کرو

چھوڑ کر چکوال کی سُندر فضاؤں کو کمالؔ
ہاں گوارا دوست اب جہلم میں ہی رہنا کرو

☆

غمِ دوراں ، غمِ جاناں ، غمِ جاں ہوتا ہے
ایک اک لمحہ مجھے کوہِ گراں ہوتا ہے

کتنے جذبات مرے تشنۂ اظہار رہے
غم کہیں سارا بھی لفظوں میں بیاں ہوتا ہے؟

شبِ مہتاب کی آتش میں سلگ اٹھتا ہوں
میرے جلنے کا عجب وہ بھی سماں ہوتا ہے

تشنہ لب آیا تھا ، پیاسا ہی چلا جاؤں گا
مجھ کو دریا پہ بھی صحرا کا گماں ہوتا ہے

میں بھی سقراط ہوں مجھ کو بھی تو زہراب ملے
مجھ سے بھی جُرم وہی اہلِ جہاں ہوتا ہے

کوئی نسخہ ، کوئی مرہم ، کوئی دارو لاؤ
درد پھر حد سے سوا چارہ گراں ہوتا ہے

جانے کیوں لوگوں کی آنکھوں میں کھٹکتا ہے کمالؔ
یہی احساس مرے دل پہ گراں ہوتا ہے

☆

دل سے نکلے گا خیالِ رُخِ جاناں کیسے
راہ روکے گا مری یہ غمِ دوراں کیسے

اپنے شعروں میں قلم بند تو کر لوں لیکن
اس کو سنواؤں حدیثِ شبِ ہجراں کیسے

اب بھی حیران سا ہو کر میں کبھی سوچتا ہوں
کُھل گیا شوق سے مجھ پر درِ جاناں کیسے

شیشۂ حُسنِ مروّت ہے کہ ٹوٹا چاہے
اب نبھائے تو کوئی رشتۂ پیماں کیسے

مجھ سے گر اس کو نہیں کوئی تعلق تو ہوا
دیکھ کر مجھ کو پریشاں وہ پریشاں کیسے

اپنا خون دے کے زمانے کو دِکھاتے ہیں کمالؔ
ہم بچاتے ہیں خزاؤں سے گلستاں کیسے

☆

(مشرقی پاکستان کے نام)

یاس کی کُہر میں لپٹا ہوا چہرہ دیکھا
جسم کا ایک بگڑتا ہوا خاکہ دیکھا

اپنی صُورت بھی نہ پہچان سکی آنکھ مری
مدّتوں بعد جو میں نے کبھی شیشہ دیکھا

شہرِ پُر ہول میں اب کے یہ عجب منظر تھا
سگ کشادہ تھا مگر سنگ کو بستہ دیکھا

میں بھی گُم سُم تھا کوئی بات نہ کرنے پایا
اس کے ہونٹوں پہ بھی جیسے کوئی پہرا دیکھا

تیرا قُرب ایک تمنّا ، سو تمنّا ہی رہی
حاصلِ عُمر یہی ہے ترا رستہ دیکھا

کیا عجب راکھ سے پیدا ہو کوئی قصرِ عظیم
ہم نے آتش میں بھی گلزار کا نقشہ دیکھا

میں ہی غمگین نہیں ترکِ تعلق پہ کمالؔ
وہ بھی ناشاد تھا اس کو بھی فسردہ دیکھا

- - - - - -

☆

نذرِ اقبال

محبّت کی پھر ابتدا چاہتا ہوں
"مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں"

میں رنگوں کا شیدا میں خوشبو کا رسیا
چمن چاہتا ہوں صبا چاہتا ہوں

مری پیاس چھینٹوں سے کب بجھ سکے گی
میں صحرا ہوں دریا پیا چاہتا ہوں

مُسافر کو جو جادہ پیما بنائے
سحر دم وہ بانگِ درا چاہتا ہوں

ہر اک شادماں ہو ہر اک بے خطر ہو
میں ایسی چمن میں فضا چاہتا ہوں

میں تیرا تُو میرا مگر اس کے باوصف
تشخص میں اپنا جدا چاہتا ہوں

جو خُفتہ دلوں کو بھی بیدار کر دے
کمالؔ ایسی کوئی نوا چاہتا ہوں

☆

کب تلک الفاظ کا رشتہ صدا سے جوڑتے
ہم کہاں تک اس طلسمِ خامشی کو توڑتے

میں تو اٹھ آیا تھا محفل سے تمھاری دوستو
کاش تم ہی راستے سے مجھ کو واپس موڑتے

اِک نہ اِک دن گر ہی جائے گی اندھیرے کی فصیل
یُوں ہی دیوانے اگر اس سے رہے سر پھوڑتے

گھونٹ ڈالا ہے خود اپنی ہر تمنّا کا گلا
کب تلک موہوم اُمّیدوں سے رشتہ جوڑتے

بات کیا کی تم سے محفل میں قیامت آگئی
دیر تک سب لوگ آپس میں رہے سر جوڑتے

غم گُساری سے تو غم کچھ اور گہرا ہو گیا
اس سے بہتر تھا کہ مجھ کو آپ تنہا چھوڑتے

زندگی کے قید خانے کی سزا بھی خوب ہے
ایک مدّت ہو گئی ہے باغ پتھر توڑتے

☆

اُس کے ہاتھوں کی مہک بھی جنبشِ در میں نہیں
اب کوئی کیفیتِ صہبا مرے گھر میں نہیں

راس آئی ہے مجھے کس درجہ یہ غم کی فضا
کون سی تصویرِ غم اب دیدۂ تر میں نہیں

اس طرح حالات کی گردش ہوئی میرا نصیب
زندگی کی رونقیں جیسے مقدّر میں نہیں

کس نے چھیڑا ہے کوئی تارِ رُبابِ آرزُو
کون سی ہے موج جو دل کے سمندر میں نہیں

گامزن اس راہ پر ہوں میں جنوں کے فیض سے
حوصلہ جس راہ پر چلنے کا رہبر میں نہیں

ہم کہے جائیں گے اپنا حالِ دل اس سے کمال
گو پذیرائی کی خُو بھی اس ستم گر میں نہیں

———

☆

خشک زمیں کا ذرّہ ذرّہ بوند بوند کو ترسے گا
جُھومتا جھامتا کالا بادل دریاؤں پر برسے گا

اندھیارے کا اندھا سُورج کتنا ہی کالا رنگ بھرے
ظلمت کی اس تہہ کے نیچے سانجھ سویرا جھلکے گا

مجبوری کی دوری یارو قُربت میں ڈھل جائے گی
آپ ہی آپ زمانہ اِک دن ایسی کروٹ بدلے گا

آؤ یارو! خود ہی ہم اب نُور کا اک مینار بنیں
کب تک بھول بھلیوں میں یہ قافلہ یوں ہی بھٹکے گا

پلکوں کا یہ بند باندھ کر کب تک اس کو روکو گے
''دِل دریا سمندروں ڈونگھا'' ہولے ہولے اترے گا

تیرے ذکر پہ میرے دل میں مدّوجزر کا نقشہ ہے
میرے نام پہ تیرا دل بھی جانِ جاناں دھڑکے گا

ہمّت صبر کی لیپا پوتی کب تک آخر ہو گی کمالؔ
دل ہے یہ اک کچّا کوٹھا ایک نہ اک دن ٹپکے گا

☆

کوئی بادل نہ تھا آنکھوں میں یارو ، کٹ گئی تھی رات
سحر کے وقت اشکوں کی نہ جانے ، کیوں لگی برسات

مسرت کے بجیں باجے ، محبّت کی اڑیں تانیں
مُراد آباد دل میں کاش! اُترے بھی کوئی بارات

کوئی عشوہ ، کوئی غمزہ ، ادا کوئی ، کوئی جلوہ
تمھارے حُسن کی ہم کو بھی مل جائے کوئی خیرات

ترے کیا کیا کرم ہیں باغباں ، اہلِ گلستاں پر
اسیری ہے ترا تحفہ ، زباں بندی تری سوغات

مسلسل اشک بہنے دو محبّت کا تقاضا ہے
مرے محبوب نے بھیجی ہے آنکھو ، درد کی سوغات

مری لَے کی نشاط انگیزیوں پر جُھومنے والو
دلِ غمگیں کے نالے ہیں ، فغاں ہیں یہ مرے نغمات

تمنّاؤں کا گُلدستہ ، نہ ارماں کا کوئی چھلاّ
کمالؔ اس بارگاہِ حُسن سے لوٹے ہیں خالی ہات

☆

دل کا چشمہ پھُوٹ نکلے ، آنکھ بھی تر ہو نہ ہو
اس خزانے سے برآمد کوئی گوہر ہو نہ ہو

میرے دل میں بھی کھِلا ہے اِک گلابِ آرزُو
اس کی خوشبو سے تری جاں بھی مُعطّر ہو نہ ہو

آنسوؤں کی اوس سے رُخسار کے گل پہ نکھار
اِتنا دل کش ، اِتنا عمدہ ، کوئی منظر ہو نہ ہو

کس طرح صحرائے غم کو اب کریں شاداب ہم
آنکھ کا دریا میسّر ، دل سمندر ہو نہ ہو

تیرا غم اک دولتِ بیدار ہے میرے لیے
پاس میرے کوئی دولت اس سے بڑھ کر ہو نہ ہو

ہم چلے جائیں گے اس راہِ محبت پر کمالؔ
اِس سفر میں ساتھ اپنے کوئی رہبر ہو نہ ہو

☆

دیکھیے کیا کیا دکھاتی ہے مری قسمت مجھ
مُضطرب رکھتی ہے پھر اک شوخ کی چاہت مجھے

یہ بھی ہے احسان تیرا ، مل گئی جس کے طفیل
زندگی کرنے کی خواہش ، درد کی دولت مجھے

ہو گیا ہے دِل کچھ اس انداز سے مانوسِ غم
غم کی تپتی دھوپ میں ہے چھاؤں کی راحت مجھے

تیری یادوں کی حسیں محفل سجا لیتا ہوں میں
جب غمِ دوراں سے ملتی ہے کبھی فُرصت مجھے

شب کو اکثر ساتھ اپنے لے کے چلتی ہے کمالؔ
اِک شبستانِ تصوّر میں مِری اُلفت مجھے

☆

کل شب وہ مُدّعائے نظر میرے پاس تھا
پھر بھی نہ جانے میرا جہاں کیوں اُداس تھا

بیتے ہے ایسے طور سے کچھ اپنی زندگی
غم ہی مرے وجود کی جیسے اساس تھا

اتنے بھرے جہاں میں کیا تیرا انتخاب
حیراں ہوں دل بھی کیا مرا مردم شناس تھا

شرم برہنگی کا بھی آتا کسے خیال
جو شخص بھی یہاں تھا دریدہ لباس تھا

دشتِ شبِ حیات میں چھایا ہوا کمالؔ
مایوسیوں کے ساتھ بلا کا ہراس تھا

☆

دل غم زدہ ، افسردہ ، پریشان ہے جاناں
ہاتھوں میں ترے جینے کا سامان ہے جاناں

روتی ہیں بہت یوں تو تری یاد میں آنکھیں
رونے کا ترے سامنے ارمان ہے جاناں

ہے دل میں ترے میری محبّت جو فروزاں
یہ تیری نوازش ، ترا احسان ہے جاناں

آنکھیں یہ مری کیوں نہ تفاخر سے ہوں لبریز
میں آن ہوں تیری تو مری شان ہے جاناں

ہے تیری عنایت ہی مری زیست کا حاصل
ہاں تیری محبت مرا ایمان ہے جاناں

☆

پھر کوئی یاد مرے ذہن میں در آئی ہے
بُھولی بسری ہوئی تحریر اُبھر آئی ہے

دوستو! تم مِرے اِس غم کو بھلا کیا جانو مانو
مجھ کو تو گھر میں بھی غُربت ہی نظر آئی ہے

آج پھر بزمِ تمنّا سے دیارِ دل میں
آس آئی ہے مگر خاک بسر آئی ہے

جانے کس سوچ پہ یہ آج بھری محفل میں
ہنستے ہنستے ہی مری آنکھ بھی بھر آئی ہے

غم کا دریا تو ابھی راہ میں حائل ہے کمالؔ
منزلِ شوق سے کب زیست گزر آئی ہے

☆

جانے کیوں سوچ کی راہوں پہ نکل آیا ہوں
منزلِ زیست کے اندیشوں سے گھبرایا ہوں

تُو کہ آکاش پہ بڑھتا ہوا اِک سُورج ہے
میں کہ دوپہر کا ڈھلتا ہوا اِک سایہ ہوں

کب تلک تیری توجہ کا گدا مانگوں گا
خط تجھے بھیج کے اے دوست میں پچھتایا ہوں

اِمتحاں اور بھی لے لو میرا بے شک یارو
ظرف قسّامِ ازل سے میں بڑا لایا ہوں

جانے کیا سوچ کے اس کے درِ دولت سے کمالؔ
سر جُھکائے ہوئے ہولے سے پلٹ آیا ہوں

☆

اس کے جلووں کی جھلک تھی کہ دکھائی نہ گئی
ایک دیوار تھی رستے میں، گرائی نہ گئی

اُس کے پیکر کے خدوخال تراشے نہ گئے
ایک مُورت بھی مرے فن سے بنائی نہ گئی

اب بھی چاہے ہے زمانہ کہ تماشا ہو کوئی
ہم سے ہی رِیت صلیبوں کی نبھائی نہ گئی

یہ بھی نیرنگیٔ دوراں کا کرشمہ دیکھا
مل گیا تخت مگر خوئے گدائی نہ گئی

آرزو اپنی رہی تشنۂ اظہار کمالؔ
داستانِ دلِ بیتاب سنائی نہ گئی

☆

ان گنت ارماں مچلتے رہ گئے
ہم کفِ افسوس ملتے رہ گئے

بس گئی یادوں کی خوشبو ذہن میں
نقشِ پا نظروں میں جلتے رہ گئے

تیری اِک بے اعتنائی کے سبب
وقت کے دھارے بدلتے رہ گئے

داغ دل کا اور بھی گہرا ہوا
آنکھ سے آنسو اُبلتے رہ گئے

ہو گئی ظلمت مقدر پھر کماؔل
اور ہم قسمت بدلتے رہ گئے

☆

عشق دھوکا تھا ، نہ سمجھے ، کھا گئے
ہم فریبِ آرزو میں آ گئے

ایک مہ وش کے تصور کے طفیل
تیرگی سے روشنی میں آ گئے

زندگی میں اس قدر محرومیاں
آخرش ہم دوستو! گھبرا گئے

سن کے اُس کی آنکھ پُرنم ہو گئی
داد ہم اپنی غزل کی پا گئے

بزم میں آئے مگر کچھ یوں کماںل
تیز نشّے کی طرح وہ چھا گئے

☆

میں اور میرے سامنے وہ شوخ و شنگ تھا
اس وقت اپنے اوج پہ محفل کا رنگ تھا

پی لی تھی اس کی آنکھ سے جیسے کوئی شراب
نشّے میں چُور چُور مرا انگ انگ تھا

چہروں پہ دوستی کا ملمع کیے تھے لوگ
لیکن دلوں میں ان کے کدورت کا زنگ تھا

تنہائیوں کے حبس میں دم اس طرح گھٹا
میرا وجود جیسے کہیں زیرِ سنگ تھا

نَس نَس میں جس کے پیار کی خُوشبو بسی کماؔل
دل میں غضب کا اس کے اُترنے کا ڈھنگ تھا

☆

مُندمل ہونے لگے تھے زخم دل کے پھر چھلے
ہاں محبّت تیری برکت سے نئے تحفے ملے

چلچلاتی دُھوپ ، میں اور دشتِ فُرقت سامنے
یہ کہاں قسمت کہ تیرے جسم کا سایہ ملے

دِل کے ویرانے میں یُوں چٹکی ہے تیری آرزُو
دُور صحرا میں کہیں جیسے کوئی غُنچہ کِھلے

رُوبرو تیرے حدیثِ غم بیاں کیسے کروں
تُو جو مُجھ کو مل گیا تو دُھل گئے سارے گلے

باؔغ صاحب زندگی میں نارمل بن جائیے
زُلف کچھ سُلجھے تو کچھ چاک گریباں بھی سلے

☆

یُوں مرے سینے میں ہے شوقِ وصال آوارہ
جیسے ہو صبح کہیں بادِ شمال آوارہ

کَرب کے دشت میں بھٹکا رہا شب دیر تلک
غم کی وادی میں رہا دن کو خیال آوارہ

یہ تصوّر کا ہے اعجاز کہ ہے ہم نفسو
دل کے گُل زار میں وہ زُہرہ جمال آوارہ

میں تیرے کھوج میں اس طَور سے سرگرداں ہوں
جیسے صحراؤں میں ہو کوئی غزال آوارہ

پُھول پتّھر کے نہ برسے بڑی حیرانی ہے
پھر ترے شہر میں پھرتا ہے کمالؔ آوارہ

☆

آنکھوں میں رکھ لیے ہیں تری رہگذر کے پھول
آ دیکھ ایک بار مِری چشمِ تر کے پھول

حدِّ نظر میں ہیں شبِ ہجراں کے خار زار
ہم غم نصیب لائیں کہاں سے سحر کے پھول

دیکھا تجھے تو دل میں گلستاں مہک اُٹھے
چاروں طرف بکھر گئے حُسنِ نظر کے پھول

تیری فرودگاہ پہ جنّت بھی ہو نثار
شرمائیں کہکشاں کو تری رہگذر کے پھول

حاصل ہوا ہے شوق کو تیرے سبب کمال
روشن ہیں تیری تاب سے میرے جگر کے پھول

☆

اشک ٹپکے ہیں مِرے خُونِ جگر کی صورت
زخم مہکے ہیں مرے غُنچۂ تر کی صورت

صفحۂ یاس پہ اُبھرا کوئی امید کا نقش
ظلمتِ شب میں کہیں رنگِ سحر کی صُورت

مُجھ کو ہر پھُول میں آتا ہے نظر تیرا جمال
یہ بھی شاید ہے کوئی حسنِ نظر کی صُورت

حوصلہ دیتی رہی ہے کسی اُمید کی ضو
رہرو خستہ کو شاداب شجر کی صُورت

رشکِ گُلوار بنا اُس کے تصوّر سے کمال
دل کہ ویران تھا اُجڑے ہوئے گھر کی صُورت

☆

زندگی کرنے کا کوئی تو سہارا ہوتا
تُو نہ گر ہوتا کوئی اور ہمارا ہوتا

دیکھتا حال ہمارا بھی تو اے ربِّ کریم
عرش سے نیچے ذرا پاؤں اُتارا ہوتا

رُوپ بہرُوپ کئی دیکھے ہیں تیرے ہم نے
روپ اک غیر کا اے دوست نہ دھارا ہوتا

سنگ مارے مجھے لوگوں نے کوئی بات نہیں
پُھول تو نے مگر اے دوست نہ مارا ہوتا

مدّتوں زخم کو چاٹیں گی کئی نسلیں کمالؔ
کاش! بھائی کو نہ یُوں بھائی نے مارا ہوتا

☆

راستہ گھر کا ترے میں بھی بُھلا دوں گا کبھی
تُجھ کو اس جرمِ تغافل کی سزا دوں گا کبھی

ہاں کہیں آئے میسّر جو مُجھے رنگ تمام
تیری نادر سی میں تصویر بنا دوں گا کبھی

کس طرح دام میں آیا وہ غزالِ رعنا
ہوا مقدور تو قصّہ یہ سنا دوں گا کبھی

تیرے سینے میں جو مدّت سے پڑے سوتے ہیں
انہی جذبات کو اے دوست جگا دوں گا کبھی

جلوۂ دوست میسّر مجھے آئے گا کمالؔ
سر سلامت ہے تو دیوار گرا دوں گا کبھی

☆

خیالوں کی دنیا بسانے لگے
فریبِ کرم پھر سے کھانے لگے

بڑی سادگی سے ہم اک ایک کو
چُھپا بھید دل کا بتانے لگے

تمہیں زندگی کا سہارا بنے
تمہیں ہم سے نظریں چُرانے لگے

تری راحتیں ہوں مُبارک تجھے
مرے غم مرا دل لُبھانے لگے

کمالؔ آج پھر اک نئے شوق سے
اسے پیار اپنا جتانے لگے

☆

اس دل کے اضطراب میں شاید کمی رہی
پہلی سی شوق میں نہ وہ دیوانگی رہی

جلتے رہیں یہ داغ مرے دل کے دوستو
جن کے طفیل رات کو بھی روشنی رہی

ملتے ہیں ہم سے یوں کہ نہ تھے گویا آشنا
وہ لوگ جن سے مدّتوں وابستگی رہی

تیرے بغیر کچھ بھی تو رونق نہ تھی ندیم
کہنے کو گرچہ زیست کی محفل جمی رہی

تیرے قریب رہ کے بھی میں دور ہی رہا
پی کر شراب دید بھی کچھ تشنگی رہی

میری تو جیسے کوئی تمنّا نہ تھی کمالؔ
دل میں ہی ایک بات تھی جس کی کمی رہی

☆

تو شوخ ہے چنچل ہے طرح دار ہے جاناں
سچ یہ ہے کہ تو حُسن کا شہکار ہے جاناں

میں اور مرے سامنے اک دشتِ تمنّا
اس دشت میں تُو سایۂ دیوار ہے جاناں

سو رنگ سے تُو دل میں مرے جلوہ کناں ہے
تُو موجِ مئے ناب ہے، گلزار ہے جاناں

ہاں قوسِ قزح بن کے مرے سامنے لہرا
آنکھوں کو مری حسرتِ دیدار ہے جاناں

ہے پچھلا پہر شب کا مگر تجھ کو خبر ہے
اِک شخص تری یاد میں بیدار ہے جاناں

☆

کچھ خُوں چکاں حُروف مری داستاں کے ہیں
کچھ درد ناک سلسلے طرزِ بیاں کے ہیں

آؤ ہمارا ساتھ دو اے ساکنانِ ارض
ہم لوگ بھی ستائے ہوئے آسماں کے ہیں

پھر آس کی ضیا سے ہے روشن رُخِ حیات
پھر حوصلے بُلند دلِ ناتواں کے ہیں

جلتی ہے شمعِ زیست بہر طور دوستو
گرچہ بگُولے تُند غمِ بے کراں کے ہیں

☆

آس کا سورج جب ڈوبے گا
پلکوں پر تارا چمکے گا

تیرا غم ہے جیسے سایہ
ہر دم میرے ساتھ چلے گا

ڈھل کر اشکوں کے پانی سے
اور بھی میرا غم نکھرے گا

یارو! کیسا منظر ہو گا
باغ جو کعبے سے لپٹے گا

☆

رات بھر دل میں تری آس کے تارے چمکے
کارواں درد کے رُخصت ہوئے تڑکے تڑکے

میں نے چھانا ہے تری راہوں کو ایسے ہمدم
جیسے تاریکیٔ شب میں کوئی راہی بھٹکے

دِل نے جس سمت بھی دیکھا کوئی جُھلسا چہرہ
میرے احساس کے جھونکے اُسی جانب لپکے

یُوں بھی مہکی ہے مرے دل میں تیری یاد اکثر
جیسے پَت جھڑ میں کہیں کوئی شگوفہ چٹکے

☆

ایک مدّت نام جن کا ہو گئی گردانتے
اب وہی ہیں لوگ جو ہم کو نہیں پہچانتے

آپ منواتے رہے ہیں آج تک اپنا کہا
بات اک تو آپ بھی اِک دن ہماری مانتے

آؤ اب تبلیغِ الفت کا کریں ہم اہتمام
لوگ اکثر برکتیں اس کی نہیں ہیں جانتے

جانے کن پہنائیوں میں کھو گیا آہو کمالؔ
اب تو عاجز آ گئے ہیں خاک بھی ہم چھانتے

☆

اوجھل مری آنکھوں سے کہاں ہو گئے احباب
حالات کے جنگل میں کہیں کھو گئے احباب

ہے وقت کہ ہوں غلغلہ انداز چمن میں
افسوس کہ اس وقت ہی چُپ ہو گئے احباب

کس عزم سے جاگا کیئے ، آنکھوں میں کٹی شب
آئی جو سحر خیر سے ، سب سو گئے احباب

چاہا تھا مری موت پہ نم ہو نہ کوئی آنکھ
میّت پہ مری آج بہت رو گئے احباب

☆

خوش فہمیوں کے قصر میں آئے ہیں زلزلے
طے ہو سکیں گے کیسے یہ دُشوار مرحلے

محرومیوں کو دیکھ کر آتا ہے یہ خیال
اب دِل کے خُون سے نہ کوئی آرزُو پلے

اپنا لہو اُچھال دیں یارو بنامِ صبح
سر سے کسی طرح تو یہ کالی بَلا ٹلے

اب تو کمالؔ سانس بھی لینا محال ہے
میں دب کے رہ گیا ہوں کسی بوجھ کے تلے

☆

ملنے کی خوشی جیسے اُدھوری سی ہے لگتی
تم تو مجھے ملتے بھی بچھڑنے کے لئے ہو

☆

ہمّت کو مری دے نہ یوں الزام مرے دوست
حالات ہی ایسے تھے مُسافت نہ ہوئی طے

منظومات

☆

آؤ یارو! خود ہی ہم اب نُور کا اک مینار بنیں
کب تک بھول بھلیوں میں یہ قافلہ یُوں ہی بھٹکے گا

☆

گلہائے تحسین

(پاک فوج کے نام)

السلام اے قوم کی آنکھوں کے تارو السّلام
گُلستانِ مُلک کی تازہ بہارو السّلام
ملّتِ بیضا کے مستحکم حصارو السّلام
السّلام اے بامراد و کام گارو السّلام

مرحبا ظُلمت میں حق کے اے اُجالو مرحبا
بے نظیر و لاجوابو بے مثالو مرحبا
قوم کے بانکو سجیلو اے جیالو مرحبا
مرحبا اے پاک طینت خوش خِصالو مرحبا

خُوش رہو تیغ آزما آتش بجانو خوش رہو
شُعلہ دم ، شاہیں صفت اے نوجوانو خوش رہو
رزم گاہوں میں عُدو پر تازیانو خوش رہو
خوش رہو اے پاک بازو پاسبانو خوش رہو

سرفروشو ، باکمالو ، دل نوازو زندہ باد
عصرِ حاضر کے مرے تاریخ سازو زندہ باد

☆

پیغام

محبت کس کی دل میں جاگزیں ہے
لکھا ہے اس پہ جس کا نام پڑھ لے
زباں سے کیا ضروری ہے سنانا
مری آنکھوں میں ہے پیغام پڑھ لے

باغ حسین کمالؔ اردو اور پنجابی زبانوں کے ایک مُعتبر شاعر ہیں۔ ان کا تعلق پنجاب کی اس نسل سے ہے جس نے چھٹی دہائی کے اواخر میں شاعری شروع کی اور عصری سماجی و ادبی تحریکوں کی رفاقت میں روایت سے جِدّت کی طرف اپنے اپنے طرز میں تخلیقی سفر جاری رکھا۔

باغ حسین کمالؔ کی اُردو غزل میں اپنی ذات اور زمین پر بیتنے والے تلخ سماجی تجربوں کی حقیقت پسندانہ ترجمانی بھی ہے اور عشقِ حقیقی و عشقِ مجازی کی تڑپ اور سرشاری کا رومانیّت پسندانہ اظہار بھی، ان کے ہاں لسانی روایت میں جِدّت اور کہیں کہیں پنجابی لفظوں اور تمثالوں کا ایک خوش گوار امتزاج ہے۔ ان کا سادہ مگر درد بھرا درویشانہ لہجہ سب سے الگ اور دلوں کو خاص طور پر متاثر کرنے والا ہے۔

یوسف حسن

5 جولائی 1994ء